بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

انسانی حقوق اور اسلامی ریاست

(۳)

سید جلال الدین عمری

معاشی خوشحالی

اسلام معاشی خوشحالی کو غلط نہیں سمجھتا بلکہ اس کا وعدہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند رہے اور اس کے ہاتھوں اللہ کے دین کی اقامت ہو جائے تو اسے معاشی خوش حالی ملے گی۔ ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ	اگر وہ قائم کرتے توریت اور انجیل
وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ	کو اور اس (قرآن) کو جو ان کے رب
مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ	کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے تو
فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ	اپنے اوپر (آسمان) سے بھی کھاتے
مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَ	اور اپنے پیروں کے نیچے (زمین کے
كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا	اندر) سے بھی۔ ان میں سے کچھ تو راہِ
يَعْمَلُوْنَ	اعتدال پر قائم ہیں۔ لیکن ان میں سے
(مائدۃ : ٦٦)	بیشتر وہ ہیں جو برے کام کر رہے ہیں۔

مال کی اہمیت کو اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اسے تسلیم کیا ہے اور اسے زندگی کے قیام وبقا کا ذریعہ کہا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ	اپنے اموال، جنھیں اللہ تعالیٰ نے
الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا	تمہارے قیامِ حیات کا ذریعہ بنایا ہے،
(نساء: ۵)	نادانوں کے حوالے مت کرو۔

مال آدمی کے پاس ہو اور وہ اسے نیکی کی راہ میں خرچ کرے تو وہ قابلِ رشک ہے۔
حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا حسد إلا فی اثنتین رجل آتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق، ورجل آتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا [1]	حسد (رشک) تو بس دو آدمیوں پر ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اپنے مال کو راہِ حق میں لٹانے پر لگا دیا۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (فہمِ دین) سے نوازا۔ وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔

حضرت سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ یحب العبد التقی الغنی الخفی [2]	بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس بندہ سے جو صاحب تقویٰ ہے، غنی اور تونگر ہے اور پوشیدہ رہتا ہے۔

مطلب یہ کہ وہ غنی جو خاموشی سے اپنی دولت صرف کرتا ہے۔ اس کا اظہار اور نام و نمود نہیں چاہتا بلکہ اپنے آپ کو پس پردہ رکھتا ہے۔ اللہ کو بہت محبوب ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح [3]	مالِ صالح اچھا ہے مردِ صالح کے لیے

مال جائز طریقہ سے حاصل ہو اور وہ نیک ہاتھوں میں ہو تو یہ ناپسندیدہ نہیں بلکہ پسندیدہ چیز ہے۔ یہ اللہ کے دین اور اس کے بندوں کی خدمت کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ جائز حدود میں کسبِ مال کی کوشش غلط نہیں ہے۔ اسلام اس کے مواقع اور سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب العلم، بحوالہ بخاری و مسلم

[2] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق باب استحباب المال والعمر للطاعۃ

[3] رواہ احمد و رواہ البغوی فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ / کتاب الامارۃ والقضاء باب رزق الولاۃ وھدایاھم) ۳۲۶

حکومت کی ذمہ داری

اسلامی ریاست رفاہی ریاست ہے، جو شخص بھی اپنی بنیادی ضروریات پوری نہ کرسکے اسلامی ریاست ان کی تکمیل کرے گی۔ وہ ہر اس فرد کی کفالت کی ذمہ دار ہے جو نادار اور اپنا معاشی بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی کفالت کا جو اعلان فرمایا اس کا ذکر حضرت ابوہریرہؓ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے :-

فلما فتح اللہ علیہ الفتوح قال أنا اولی بالمومنین من انفسھم فمن مات وعلیہ دین ولم یترك وفاءً، فعلیّ قضاؤہ، ومن ترك مالا فلورثتہ، وفی روایۃ من ترك دینا اوضیاعا فلیاتنی فأنا مولاہ وفی روایۃ من ترك مالا فلورثتہ، ومن ترك کلاً فإلینا ¹	جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ آپ پر کھول دیا تو آپ نے اعلان فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان سے قریب ہوں، جس کسی کا انتقال ہوجائے، اس پر قرض ہو اور وہ اس کی ادائیگی کے لیے کوئی چیز نہ چھوڑے تو اس کا ادا کرنا میرے ذمہ ہوگا اور کوئی مال چھوڑ کر جائے تو وہ اس کے ورثاء کا ہوگا، ایک روایت میں ہے جو شخص قرض یا اہل وعیال جن کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، چھوڑ کر جائے، وہ میرے پاس آئیں، میں ان کا والی اور سرپرست ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو مال چھوڑ کر دنیا سے جائے تو وہ اس کے ورثاء کا ہوگا اور جو کوئی بوجھ (قرض یا مفلس اہل وعیال) چھوڑ کر جائے تو وہ ہمارے ذمہ ہوگا۔

---

¹ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الفرائض۔ بحوالہ بخاری ومسلم۔ نیز ملاحظہ ہو باب الافلاس والا نظار

مدینہ کے ابتدائی دور میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہوتا تو آپ دریافت فرماتے کہ کیا اس پر کوئی قرض ہے اور ہے تو کیا اس نے اتنا مال چھوڑا ہے کہ اس سے قرض ادا ہو سکے؟ اگر بتایا جاتا کہ اس کے مال سے قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ورنہ فرمادیتے کہ جاؤ تم لوگ نماز پڑھ لو۔

(یہ تہدید تھی کہ لوگ قرض کے معاملہ میں بے احتیاطی سے کام نہ لیں اور مرنے سے پہلے اس کا انتظام کریں) البتہ کبھی کوئی شخص میت کی طرف سے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لے لیتا تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے تھے[1] لیکن بعد کے دور میں آپ نے یہ ذمہ داری خود لے لی۔

فلما فتح اللہ علیہ الفتوح (جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا سلسلہ آپ کے لیے شروع کر دیا) کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ریاست پر نا داروں کی کفالت یا مستحق اور مفلس قرض داروں کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری اس وقت عائد ہو گی جب کہ وہ اس موقف میں ہو۔ اس موقف میں ہوتے ہوئے اپنی اس ذمہ داری کو اپنے وسائل کے لحاظ سے پوری طرح یا حسب استطاعت وہ ادا نہ کرے تو اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے گی اور گناہ گار ٹھہرے گی۔[2]

دنیا مقصود نہ بن جائے

اسلام نے جائز ذرائع سے معاشی ترقی پر پابندی عائد نہیں کی ہے۔ اس معاملہ میں فرد کو ریاست کا تعاون حاصل ہوگا۔ معاشی لحاظ سے کم زور اور نادار افراد اور طبقات کی وہ مدد کرے گی۔ اس کے ساتھ اسلام اس بات کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی مقصود نہ بن جائے۔ اس کی ہوس اور اس کے حصول کی تڑپ میں انسان خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جائے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الافلاس والانظار۔ بحوالہ بخاری

[2] ابن حجر، فتح الباری: ۵/۲۴۵ دار الفکر۔ بیروت ۱۹۹۳ء

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المنافقون: ۹)	اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے۔ جو ایسا کریں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

انسان بندۂ دنیا بن جائے اور مال و دولت سمیٹنے میں لگ جائے تو آخرت اس کی نگاہ سے اوجھل ہونے لگتی ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ اس لیے قناعت کی تعلیم اور ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی اپنی ضروریات کا دائرہ محدود رکھے اور اسے زیادہ وسعت نہ دے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لیس لابن آدم حق فی سوی ھٰذہ الخصال، بیت یسکنه وثوب یواری به عورته وجلف الخبز والماء [1]	ابن آدم کا (اس دنیا میں) کوئی حق نہیں ہے سوائے ان چیزوں کے۔ گھر جس میں وہ رہے، کپڑا جس سے وہ قابلِ ستر مقامات کو چھپا سکے اور سوکھی روٹی اور پانی۔

حضرت بریدہ اسلمیؓ کی روایت میں اوپر کی بیان کردہ ضروریات زندگی میں سے بعض اور ضروریات کا بھی ذکر ہے۔ ساتھ ہی قناعت کی تعلیم ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یکفی احدکم من الدنیا خادم ومرکب [2]	تم میں سے کسی بھی شخص کے لیے اس دنیا سے ایک خادم اور سواری کافی ہے۔

ابو ہاشم بن عتبہؓ نے زندگی کے آخری لمحات میں افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ تمہارے سامنے اموال تقسیم ہوں گے۔ تمہارے لیے ان میں سے ایک خادم اور ایک سواری جو اللہ کی

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، بحوالہ ترمذی

[2] مسند احمد: ۵/۳۶۰ دارمی، کتاب الرقاق، باب ما یکفی من الدنیا۔

راہ میں جہاد کے کام آئے کافی ہے۔ میں نے وہ زمانہ پایا بھی اور بہت سامان جمع بھی کیا۔ کاش میں اس عہد پر قائم رہتا جو آپ سے کیا تھا۔[۱]

عزت وآبرو کا حق

انسان کے اندر خودداری اور عزت نفس کا فطری جذبہ پایا جاتا ہے۔ اس کا یہ حق ہے کہ اس کی تحقیر و تذلیل نہ ہو، اسے بدنام اور رسوا نہ کیا جائے اور معاشرہ میں اسے عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جائے۔ اسلام نے اسے اخلاقی اور قانونی حیثیت دی ہے۔ اسلام کے نزدیک کسی شریف اور مہذب انسان کی عزت وآبرو سے کھیلنا سنگین جرم ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک دامن اور سیدھی سادی عورت پر بدکاری کے جھوٹے اور بے ثبوت الزام کو 'کبائر' (بڑے گناہ) میں شمار فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے 'کبائر' کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

.... وقذف المحصنات	.... اور پاک دامن، بھولی بھالی مومن
الغافلات المومنات[۲]	عورتوں پر تہمت لگانا۔

قرآن مجید نے اس شنیع حرکت پر اسّی کوڑوں کی سزا رکھی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	جو لوگ پاک دامن اور شریف
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۤءَ	عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً	اس پر چار گواہ نہ پیش کریں تو ان کو اسّی
وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا	کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی
اُولٰۤئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ۴)	قبول نہ کرو۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔

آیت میں پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت کا حکم بیان ہوا ہے۔ یہی حکم شریف اور با اخلاق مرد کا بھی ہے۔ اگر اس پر زنا کی تہمت لگائی جائے اور اس کا ثبوت نہ فراہم کیا جائے تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تہمت

---

[۱] ترمذی، ابواب الزہد، باب ...... ابن ماجہ، کتاب الرقاق، باب الزہد فی الدنیا

[۲] مشکوٰۃ، کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، بحوالہ بخاری ومسلم

لگانے والا مرد ہے یا عورت، بشرطیکہ وہ عاقل و بالغ ہو۔

زنا کی تہمت کے بارے میں یہ صریح حکم ہے۔ زنا کے علاوہ کوئی اور تہمت لگائی جائے جیسے فاسق و فاجر کہا جائے یا چور اور شرابی قرار دیا جائے تو اس پر یہ حد تو جاری نہیں ہوگی البتہ اس کی تعزیر ہوگی۔ تعزیر میں کوڑوں کے ساتھ وقت ضرورت سزائے قید بھی دی جاسکتی ہے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ 'تعزیر' شریعت کی قائم کردہ 'حد' سے کم ہونی چاہیے۔ یہ کتنی ہو اس میں اختلاف ہے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ[1]	اللہ کے حدود میں سے کسی حد کے علاوہ کسی دوسرے جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ مارے نہیں جائیں گے۔

بعض دوسرے دلائل کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ غلام کے لیے حدِ قذف چالیس (۴۰) کوڑے ہیں۔ اس سے کم کے معنی یہ ہیں کہ تعزیر میں انتالیس (۳۹) کوڑے تک لگائے جاسکتے ہیں۔ امام ابویوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ غلام کی نہیں آزاد کی حد دیکھی جائے گی آزاد شخص کے لیے حدقذف اسی کوڑے ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کوڑے لگائے جاتے تو وہ پچھتر (۷۵) تک شمار کرتے پھر چھوڑ دیتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعزیر پچھتر (۷۵) کوڑوں تک ہوسکتی ہے۔

کم سے کم کے بارے میں خیال یہ ہے کہ یہ تین کوڑے بھی ہوسکتے ہیں۔ لیکن ایسی صورت بھی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ تعزیر یا سزا ہی نہ محسوس ہو ورنہ اس کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ ایک رائے یہ ہے کہ کمی بیشی کا تعلق قاذف (تہمت لگانے والا) مقذوف (جس پر تہمت لگائی جائے) اور قذف کی نوعیت سے ہے۔ امام ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے گا۔[2]

قذف اور تہمت کا تعلق مقذوف کی عزت و آبرو سے ہے۔ اگر وہ قاذف کو

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود، باب التعزیر، بحوالہ بخاری و مسلم

[2] ہدایہ، کتاب الحدود، باب حد القذف۔

معاف کر دے تو کیا حد ساقط ہو جائے گی؟ امام ابو حنیفہؒ، امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس میں معاف کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ معاف کرنا صحیح ہے۔ اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ ایک رائے یہ ہے کہ مقدمہ امام (عدالت) تک پہونچ جائے تو معافی نہیں ہوگی۔ اس سے پہلے ہو سکتی ہے[1]

اسلام نے عزت و آبرو کو انسان کا بنیادی حق ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی حفاظت کے لیے مفصل قانون بھی دیا ہے۔

نجی زندگی میں عدم مداخلت

انسان کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اسے اپنی نجی اور شخصی زندگی میں آزادی حاصل رہے۔ اس میں بیرونی مداخلت نہ ہو۔ اسلام نے اسے اس کا ایک جائز حق قرار دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر یا گوشۂ تنہائی میں کیا کر رہا ہے اس کی تحقیق و تفتیش نہ کی جائے۔ اگر وہ غلط کام بھی کر رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ ہاں اگر وہ علی الاعلان کسی جرم کا ارتکاب کر رہا ہو یا اس کا عمل کسی دوسرے فرد یا معاشرہ کے لیے ضرر رساں ہو تو وہ قانون کی گرفت میں ضرور آئے گا۔ اس سلسلہ میں اسلام نے اصولی ہدایت یہ دی ہے کہ کسی بھی شخص کو پہلے ہی قدم پر محض ظن و تخمین کی بنیاد پر غلط کار اور مجرم نہ قرار دیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ بدکار و بداطوار ہے اور اس سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے اور سوءِ ظن اور بدگمانی سے کام نہ لیا جائے اس لیے کہ بعض گمان بے بنیاد ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہی گئی کہ تجسس نہ کیا جائے۔ کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ لگانا اور چھپے چھپے اس کی خامیوں کو تلاش کرتے پھرنا غیر اخلاقی اور ناشائستہ رویہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا	اے ایمان والو! بہت گمان سے بچو،
كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ	بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور کسی کے

---

[1] ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۶/۱۲۰ طبع بیروت ۱۹۹۶ء

اثم ولا تجسسوا ..... (الحجرات : ۱۲) عیب نہ تلاش کرو۔

سوءِ ظن اور تجسس کا تعلق شخصی اور نجی زندگی سے بہت گہرا ہے۔ اگر ایک شخص اجتماعی اور سماجی زندگی میں راست رو ہے تو اس کے متعلق خواہ مخواہ اس بدگمانی کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خلوت اور تنہائی میں لازماً غلط کار ہوگا۔ اس سے آگے اسے مجرم ثابت کرنے کے لیے اس کے خفیہ امور کی بھی چھان بین کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی کی اصلاح کے لیے اس کے نجی حالات سے واقف ہونے کی خفیہ کوشش بھی غلط ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تجسس سے اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اس سے بگاڑ کا زیادہ اندیشہ ہے۔

اگر ایک شخص کے علم میں یہ بات آجائے کہ جس جرم کا ارتکاب وہ دوسروں کی نگاہوں سے چھپ کر کر رہا تھا اب وہ دوسروں پر کھل گئی ہے تو اس کی شرم اور جھجک ختم ہو جائے گی اور وہ اپنی غلط روی پر زیادہ جری ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں یہی نفسیاتی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے:۔

انك اذا اتبعت عورات جب تم لوگوں کے خفیہ عیوب کے
الناس افسدتهم[1] پیچھے پڑ جاؤ گے تو انھیں بگاڑ میں ڈال دو گے۔

یہی بات سربراہ مملکت سے بھی کہی گئی ہے۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان الامیر اذا ابتغی بے شک امیر جب لوگوں میں ایسی
الریبة فی الناس افسدهم[2] چیزیں ڈھونڈنے لگے جو شک و شبہ
میں ڈالتی ہیں تو ان کو بگاڑ دے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست نجی زندگی کی بھی چھان بین شروع کر دے،

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء۔ بحوالہ بیہقی

[2] حوالہ سابق بحوالہ ابوداؤد

آدمی کے گوشۂ تنہائی کی بھی نگرانی کرنے لگے، اندرون خانہ بھی اسے آزادی سے محروم کردے اور اس کے پیچھے جاسوس لگادے جو خلوت میں بھی اس کا تعاقب کرتا رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے فساد کی راہ پر لگایا جارہا ہے اور اسے معصیت کے لیے نئی نئی راہیں تلاش کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

کسی کے گھر بلا اجازت داخلہ کی ممانعت

آدمی کا گھر اس کی تنہائی اور خلوت Privacy کی خاص جگہ ہے۔ اس میں بے جھجک گھس پڑنا اس کی تنہائی میں مداخلت ہے۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی دروازے پر کھڑے ہوکر سلام کرے اور صاحب خانہ کی اجازت سے اندر جائے۔ اگر اجازت نہ ملے تو واپس ہوجائے۔ اس پر ناگواری نہ محسوس کرے

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو اپنے گھروں کے
تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ	علاوہ دوسرے گھروں میں مت داخل
حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا	ہوجاؤ جب تک کہ ان سے انس نہ حاصل
عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ	کرلو اور (اس کے لیے) ان میں رہنے
لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○	والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے حق میں
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا	بہتر ہے۔ امید ہے تم اسے یاد رکھوگے
فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ	اگر تم ان مکانوں میں کسی کو موجود نہ پاؤ
لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا	تو ان میں مت داخل ہو۔ جب تک کہ
فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ	تمہیں اجازت نہ مل جائے۔ اگر تم سے
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○	واپس لوٹنے کے لیے کہا جائے تو لوٹ
(النور: ۲۷، ۲۸)	جاؤ، یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے
	اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے۔

اس معقول طریقہ کو چھوڑ کر کسی کے گھر تانک جھانک کرنا اور اندرونی حالات وکوائف جاننے کی کوشش کرنا سخت معیوب ہے۔

حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف فرما تھے۔ ایک شخص

نے دروازے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ آپ کے ہاتھ میں کنگھی نما لوہے یا لکڑی کی ایک چیز تھی جس سے آپ سر مبارک کھجلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں یہ سمجھتا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو اسے میں تمہاری آنکھ میں مار دیتا۔ اجازت لینے کا حکم نگاہ ہی کی وجہ سے تو ہے (بغیر اجازت کے گھر میں جھانک کر دیکھ لینا ایسا ہی ہے جیسے آدمی بے اجازت گھر میں داخل ہو جائے)[1]

ایک اور حدیث میں ہے:۔

لو اطلع فی بیتك احد	اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے،
ولم تأذن له فخذ فته	تم نے اسے اجازت نہ دی ہو، اس
بحصاة ففقأت عينه ماكان	حرکت پر تم کوئی کنکر مار کر اس کی آنکھ
عليك من جناح ۔[2]	پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

ان احادیث سے امام شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ گھر میں کسی کے تانک جھانک کرنے پر صاحب خانہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر دیت یا تاوان لازم نہیں آئے گا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تہدید کا انداز ہے اس میں کوئی قانون نہیں بیان ہوا ہے۔ اس بحث سے قطع نظر اس سے اس مسئلہ میں اسلام کا مزاج بہر حال سمجھا جا سکتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب ترین عزیزوں کے گھر میں بھی آدمی کو اجازت لے کر ہی داخل ہونا چاہیے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنی ماں سے بھی (اس کی رہائش گاہ میں جانے کے لیے) اجازت لوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس نے عرض کیا کہ میں تو اسی کے ساتھ رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لو۔ اس نے کہا میں تو اس کا خادم ہوں۔ آپ نے فرمایا اجازت لے کر ہی اس کے پاس جاؤ۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اسے برہنہ دیکھو۔ اس نے کہا نہیں! پھر تو تمہیں اجازت

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب القصاص، باب مالا یضمن من الجنایات بحوالہ بخاری و مسلم

[2] حوالہ سابق۔

لینی چاہیے (ورنہ کوئی بھی ناپسندیدہ حالت دیکھنی پڑسکتی ہے)[۱]

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے 'Privacy' خلوت میں عدم مداخلت کو کتنی اہمیت دی ہے اور معاشرہ کو اس کا پابند بنایا ہے۔

سفر کا حق

اسلام نے انسان کا یہ حق قرار دیا ہے کہ وہ اپنی دینی اور دنیوی ضروریات کی تکمیل کے لیے زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرے۔ اس نے زمین میں چل پھر کر عجائباتِ قدرت کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور آثار تاریخ کے مشاہدہ اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اسی طرح انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے بھی اس نے سفر کی اجازت دی ہے۔ اس نے بار بار اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کیا ہے کہ اس نے زمین کی ساخت ایسی رکھی ہے کہ انسان اپنے مقاصد کے لیے اس پر آسانی سے سفر کرسکتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ	اللہ وہ ہے جس نے تمہارے
مَہْدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْہَا	لیے زمین کو فرش بنا دیا اور تمہارے
سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَہْتَدُوْنَ ○	لیے اس میں راستے نکال دیے تاکہ تم منزل
(زخرف : ۱۰)	تک پہونچ سکو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ	اللہ نے تمہارے لیے زمین کو
بِسَاطًا ○ لِّتَسْلُکُوْا مِنْہَا سُبُلًا	فرش بنا دیا ہے تاکہ تم اس کے وسیع
فِجَاجًا ○ (نوح : ۱۹، ۲۰)	راستوں میں چلو۔

اسلام نے حالت سفر میں بعض فرائض وواجبات میں رعایتیں دی ہیں، معاشرہ کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ مسافروں کی مدد کرے اور انھیں سہولتیں فراہم کرے۔ بیت المال میں ان کا حق رکھا ہے اور جو لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے تلاش

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الاستیذان، رواہ مالک مرسلا ۳۷۶

معاش کے لیے سفر نہیں کرسکتے ان کے ساتھ ہمدردی کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان حسب ضرورت دینی اور دنیوی مقاصد کے لیے سفر کرسکتا ہے۔ اسلام اسے جائز قرار دیتا ہے اور اس میں مدد کرتا ہے۔ بعض حالات میں سفر اس کے نزدیک پسندیدہ عمل بھی ہے اس میں غیر ضروری پابندیوں کا وہ قائل نہیں ہے۔

مظلوم کا حق

اسلام نے انسان کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ خوف و خطر سے پاک اور امن وامان کی زندگی گزارے۔ اس کی جان مال اور عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہ لاحق ہو۔ اس پر دست درازی ہو تو اسے اس کے خلاف آواز اٹھانے کا حق حاصل رہے۔ وہ عدالت سے رجوع کرسکے اور عوام کے سامنے بھی اپنا مقدمہ پیش کرنے کی اسے اجازت ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ	اللہ تعالیٰ بری بات کے اظہار و
مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ	اعلان کو پسند نہیں کرتا البتہ جس پر
(النساء: ۱۴۸)	ظلم ہوا ہے (اسے اس کا حق ہے)

ایک طرف مظلوم کا یہ قانونی اور اخلاقی حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائے اور انصاف کا مطالبہ کرے دوسری طرف معاشرہ کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ آگے بڑھے اور مظلوم کی مدد کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم کی مدد کو اس کا لازمی حق بتایا ہے اور یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ ظالم کی کسی پہلو سے تائید نہ ہو۔ ظلم کی حمایت روحِ اسلام کے منافی ہے۔ ارشاد ہے:

من مشی مع ظالم لیقویه	جو شخص کسی ظالم کے ساتھ یہ جانتے
وھو یعلم أنه ظالم فقد خرج	ہوئے کہ وہ ظالم ہے، اسے تقویت پہنچانے
من الاسلام[1]	کے لیے چلے تو وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

عدل وانصاف کے قیام کے لیے معاشرہ میں مظلوم کے ساتھ تعاون اور ظالم

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الظلم بحوالہ بیہقی شعب الایمان ۴۳۷

سے عدم تعاون کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے۔لیکن اس میں ریاست کے کردار کی بڑی اہمیت ہے۔

اسلامی ریاست مظلوم کو اس کا حق دلانے کی پابند ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اس میں حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الضعیف فیکم قوی عندی حتی اخذ لہ حقہ والقوی ضعیف عندی حتی أخذ منہ الحق ان شاء اللہ تعالیٰ[1]	تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہوگا۔یہاں تک کہ میں اس کا حق لے کر اسے پہونچا دوں اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہوگا یہاں تک کہ اس کے پاس دوسرے کا جو حق ہے وہ اس سے میں لے لوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ملکی اور ملّی خدمت کا حق

ملک وملت کی فلاح وبہبود کی فکر اور اس کے لیے تگ ودو کرنا، ریاست یا کسی خاص فرد یا گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ریاست کے ہر شہری کا حق ہے کہ اسے ملک اور ملت کی خدمت کا موقع حاصل ہو اور اس پر غیر ضروری پابندی نہ لگائی جائے۔ اسلام نے تعلیمی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی، اصلاحی، سیاسی ہر طرح کی خدمت کی ترغیب دی ہے اور اس پر معاشرہ کو آمادہ کیا ہے۔ قرآن نے اس کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (النساء: ۱۱۴)	ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہے سوائے اس شخص کے جس نے صدقہ کا حکم دیا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی کوشش کی (اس نے کار خیر انجام دیا)

---

[1] ابن اثیر: الکامل فی التاریخ ۲: ۱۹۴، ۱۹۵

کتاب و سنت کے علم کو عام کرنے کی جد وجہد اسلام کے نزدیک بہترین جد وجہد ہے۔

حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرکم من تعلم القرآن وعلّمہ[1]	تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

آدمی کا صحت مند اور تندرست ہونا اور دوسروں کی فلاح کے لیے کام کرنا اسلام کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المومن القوی خیر وأحب إلی اللہ من المومن الضعیف وفی کل خیر[2]	طاقت ور اور قوی مومن اللہ کے نزدیک بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے اس مومن سے جو کم زور اور ضعیف ہے (اس کے باوجود) ہر ایک میں خیر ہے۔

خدمت کی راہ میں تکلیف برداشت کرنے اور ہمت ہار کر نہ بیٹھنے کی ترغیب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت میں اس طرح دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم افضل من الذی لایخالطھم ولا یصبر علی اذاھم[3]	جو مسلمان لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے پہونچنے والی تکلیف پر صبر کرتا ہے وہ افضل اور برتر ہے اس مسلمان سے جو ان سے میل جول رکھتا ہے اور نہ ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔

افراد اور گروہوں کے نزاعات کو ختم کرنا اور ان کے درمیان تعلقات کو بحال کرنا

---

[1] مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن بحوالہ بخاری

[2] رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر)

[3] رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ: کتاب الآداب باب الرفق والحیاء وحسن الخلق۔

معاشرہ کی بہترین خدمت اور بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس کی فضیلت نفل عبادات سے زیادہ ہے۔ حضرت ابو درداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام و الصدقۃ والصلوٰۃ قال قلنا بلیٰ قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقۃ [1]	کیا میں تمہیں بتاؤں کہ (نفل) روزہ صدقہ وخیرات اور نماز سے اعلیٰ درجہ کا عمل کون سا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کیا کہ ضرور بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا وہ ہے آپس کے تعلقات کو ٹھیک کرنا اور آپس کے تعلقات کا بگاڑ تو (دین و دنیا کو) مونڈ دینے والی چیز ہے۔

دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کا حق بھی ہر ایک کو حاصل ہوگا۔ اس کا ثبوت حضرت ام حبیبہؓ کی روایت سے ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ، الا امرٌ بالمعروف اونہی عن منکر او ذکر اللہ [2]	امر بالمعروف، نہی عن المنکر یا اللہ کے ذکر کے سوا ابن آدم جو بھی کلام کرتا ہے وہ اس کے لیے نقصان دہ ہی ہے۔ سود مند نہیں ہے۔

اسلام نے انسان کو عظمت وسربلندی عطا کی ہے، جو حقوق دئیے ہیں اور جس طرح ظلم وعدوان سے پاک اور عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ قائم کیا ہے یہ اس کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ اس سے اسلام کی تعلیمات اس کے فلسفۂ حیات اور اس کے مزاج کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ (ختم شد)

---

[1] رواہ ابوداؤد والترمذی (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب ما ینہیٰ من التہاجر والتقاطع
[2] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ